حضرت العلام مولانا حافظ محمد گوندلوی مدظلہ العالی

قسط ۲۸

دوامِ حدیث

ایک اسلام

چودھواں باب — شفاعت :

"قرآن کریم میں کہیں بھی ذکر نہیں کہ آنحضرت محشر میں سفارش کریں گے البتہ دنیا میں استغفار کا ذکر ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ تلافی مافات کیلئے کمربستہ ہو جائیں اور حضور انکی رہبری فرمائیں تو انکے پچھلے گناہ چھپ جائینگے۔ اس مضمون کے علاوہ قرآن میں شفاعت کا اور کوئی تخیل موجود نہیں بلکہ عدم شفاعت کا ذکر ہے :

"ولا یقبل منہا شفاعۃ" (نہ اس سے شفاعت قبول ہوگی)

آنحضرت نے اپنی لڑکی کو فرمایا :

"لا اغنی عنك من اللہ شیئاً"

"میں اللہ کے دربار میں تمہاری کوئی مدد نہ کر سکوں گا"

اب ذرا محدثین کا نقطۂ نگاہ ملاحظہ کیجیے :

ابوہریرۃ کی حدیث میں شفاعت کا ذکر ہے۔ مگر اس حدیث میں یوسف کے پاس جانے کا ذکر نہیں حالانکہ ان کے متعلق آنحضرت کی شہادت ہے کہ وہ سب سے زیادہ کریم ہیں، یعنی "اکرم الناس" ہیں۔ اگر کسی طالب علم کو معلوم ہو جائے کہ وہ محنت نہ کرے تب بھی پاس ہو جائیگا تو وہ یقیناً محنت چھوڑ دیگا۔ احادیثِ شفاعت میں اس قسم کا وعدہ آنحضرت سے بھی کیا جا چکا ہے

"انا سنرضیك فی امتك ولا نسوئك"

"ہم تجھے تیری امت میں راضی کریں گے اور مغموم نہ ہونے دیں گے" (دواسلام)

الجواب :

زندوں کیلئے استغفار ہے اور مُردوں کے لئے دعا ــــ منافقوں اور مشرکوں کیلئے البتہ ممانعت ہے :

"ولا تصل علی احد منھم مات ابداً"

"اگر کوئی منافق مر جائے تو اس کیلئے دعا نہ کرے"

"ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان" (الحشر)

"اسے ہمارے رب ہم کو بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان میں سبقت کر چکے ہیں"

جب مردے کے لئے دعا اور استغفار ثابت ہے تو غور کرنے کے بعد یہی شفاعت کی حقیقت ہے ــــ اور آیت "ماللظالمین من حمیم ولا شفیع" ظالموں ــــ یعنی مشرکوں ــــ کیلئے کوئی غمخوار اور شفیع نہیں) بھی اپنے اسلوب سے بتا رہی ہے کہ غیر ظالموں (مشرکوں) کی شفاعت ہو گی۔

اور ایک جگہ فرمایا :

"فما تنفعھم شفاعة الشافعین"

ان فرقوں کو شافعین کی شفاعت کا نفع نہ ہو گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے، ان چار فرقوں کے علاوہ باقی کو شفاعت نفع دیگی۔ نفی شفاعت کی آیتوں میں مشرکین کا ذکر ہے یا کافروں کا۔ اور مغفرت کے مفید ہونے کا جہاں ذکر ہے، اس سے مراد مسلمان موحد ہیں۔

باقی یہ کہ یوسف علیہ السلام کا اس حدیث میں ذکر نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محشر کے دن کے تمام امور کا یہاں بیان نہیں کیا، صرف جو آپ کو بذریعہ کشف دکھائی دیئے وہ بتائے۔ (مسند احمد)

باقی رہی یہ بات کہ شفاعت سے لوگ گناہ پر دلیر ہو جائینگے، غلط ہے۔ کیونکہ شفاعت بے نماز کی نہیں ہو گی بلکہ نمازی کی ہو گی۔ پھر شفاعت مذکور اس وقت شروع ہو گی جب گناہ گار جہنم میں جا چکے ہونگے پھر سب کے سب ایک ہی بار نہیں نکالے جائینگے بلکہ متعدد دفعہ میں نکالے جائینگے، کوئی پہلے اور کوئی پیچھے۔ اس کی یہی وجہ ہو گی کہ گناہ کے مراتب مختلف ہونگے۔ پس جو لوگ سب سے پہلے نکالے جائیں گے باوجود نمازی، روزہ دار اور حاجی ہونے کے بعض کبائر کی بنا پر اتنی دیر جہنم میں رہیں گے۔ اس سے پہلے

میدانِ محشر میں اور اس سے پہلے عالمِ برزخ میں سزا اٹھا چکے ہونگے۔ شفاعت کے باوجود اگر گناہ گار کو اتنی سزا کا ڈر ہو تو کب گناہ پر دلیر ہو سکتا ہے؟

اگر بہ نظرِ غور دیکھا جائے تو حقیقت میں شفاعت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کی صورت ہے یعنی گناہ کی سزا دو قسم کی ہے۔ ایک اس گناہ کی حقیقت اور مرتبہ کے لحاظ سے۔ اور ایک اس لحاظ سے کہ وہ متبع ہے۔ ظاہر ہے کہ متبع اور مجرم برابر نہیں ہو سکتے۔ متبع کی سزا میں تخفیف ہونی چاہیئے۔ مثلاً فرض کیجیئے کہ ایک گناہ کی سزا فی نفسہٖ ایک سال ہے مگر متبع ہونے کی بنا پر اس کی سزا ایک ماہ ہے۔ پس گیارہ ماہ جو سزا میں تخفیف ہے وہ اتباع کی وجہ سے ہے۔ یہ اتباع چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے اس واسطے یہ تخفیف قیامت کے دن شفاعت کی صورت میں ظاہر ہوگی جس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کا اظہار بھی ہوگا اور آپؐ کی اتباع کی افادیت کا بھی!

پندرھواں باب ــــ قرآن سے متصادم احادیث:

"قرآن میں ہے: "لا اکراہ فی الدین" (دین میں کوئی جبر نہیں) ایک حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی قلمرو میں امن قائم کرنے کے لئے جرائم کا استیصال کرے، اس کے لئے تلوار استعمال کرے۔ اس نازک فرض کو سمجھنے کیلئے یہ آیت پڑھیئے:

"وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ"

"تم کفار سے اس وقت تک لڑو جب تک بدامنی ختم نہ ہو جائے۔ اور تمہارا قانون قلمرو میں نافذ نہ ہو جائے"

دین کے دو معنیٰ ہیں۔ اوّل ضابطۂ اسلامی، دوم۔ اس ضابطہ کا وہ حصہ جس کا نفاذ قیامِ امن کے لیے قلمرو میں ضروری ہے۔

اب یہ حدیث ملاحظہ ہو:

"امرت ان اقاتل الناس ان یشھدوا لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ فاذا فعلوا ذالک عصموا منی اموالھم ودمائھم الا بحق الاسلام وحسابھم علی اللہ"

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ خدا کو ایک جان کر میری رسالت کا اقرار نہ کریں اور صلوٰۃ و زکوٰۃ کے پابند نہ ہو جائیں۔ اگر وہ ان باتوں کو مان

بس تو پھر میں ان کی جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کروں گا۔ ہاں جان و مال میں اللہ کے حقوق کسی طرح ساقط نہیں ہوں گے۔"

یہ حدیث کئی طرح سے محل نظر ہے۔ اول قرآن حکیم نے بدامنی کو روکنے اور مظالم کے انسداد کے لئے جہاد کا حکم دیا ہے نہ کہ قرآن کی تعلیم زبردستی منوانے کے لئے۔

لیکن اگر مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کوئی پیدا ہو جائے تو جنگ ختم کر دو۔ اول، جب بدامنی اور فتنہ ختم ہو جائے۔ دوم، جب دشمن سے صلح ہو جائے ——— وان جنحوا للسلم فاجنح لها ——— اگر وہ صلح چاہیں تو ان سے صلح کر لو۔ سوم، جب وہ جزیہ دینے پہ راضی ہو جائے ——— حتی یعطوا الجزیۃ ——— یہاں تک کہ جزیہ ادا کرنے پر راضی ہو جائیں۔ چہارم، جب وہ اسلام قبول کر لے۔ "فان تابوا واقاموا الصلوۃ وآتوا الزکوۃ فخلوا سبیلھم۔ الآیۃ یعنی "وہ توبہ کرنے کے بعد اگر صلوٰۃ و زکوٰۃ کے پابند ہو جائیں تو پھر ان کے سامنے سے ہٹ جاؤ۔" سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات میں مشرکین سے اعلان جنگ کی وجہ یہ نہیں بتائی گئی کہ وہ مسلمان نہیں تھے بلکہ یہ کہ انہوں نے تمام معاہدات توڑ دیئے ——— "الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم" "کہ تم ان مشرکوں سے کیوں نہیں جنگ کرتے جنہوں نے سارے معاہدات توڑ ڈالے" نیز ان کے متعلق کہا گیا ہے کہ "فاتموا الیھم عھدھم" "کہ تم بھی ان معاہدوں کو پورا کرو" اور ساتھ ہی یہ رعایت دی گئی کہ اگر کوئی مشرک تمہارے ہاں پناہ لینے کیلئے کہے تو انکار نہ کرو ——— چونکہ یہ حدیث لوگوں کو بہ جبر مسلمان بنانے کیلئے جہاد کا حکم دیتی ہے اور قرآن کی تعلیم سے متصادم ہوتی ہے اس لئے اس کی صحت مشتبہ ہے۔" (دو اسلام ص ۱۹۴)

الجواب: سورۂ توبہ کی آیت اور حدیث دونوں کے الفاظ ملتے جلتے ہیں۔ آیت میں بھی غایت قتال تین چیزیں ذکر کی ہیں: ——— توبہ (یعنی توحید اور رسالت کی شہادت) اور پابندی صوم و زکوٰۃ ——— حدیث میں بھی یہی تین چیزیں ہیں۔ توحید و رسالت کا اقرار اور صلوٰۃ و زکوٰۃ کی پابندی۔ اگر سورۂ توبہ میں مراد خاص مشرکین ہیں تو حدیث میں بھی "الناس" سے مراد وہی گروہ ہے۔ کیونکہ الف لام عہد کا ہے۔ اس جواب سے دوسرا اعتراض بھی اٹھ گیا۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو اہل بحرین کی طرف جزیہ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا حالانکہ وہ لوگ غیر مسلم تھے اور اس حدیث کی رو سے ان کے خلاف جہاد کرنا چاہیے تھا۔ لیکن چونکہ الف لام عہد کا ہے لہٰذا اہل جزیہ اس سے خارج ہیں۔ اس طرح تیسرا اعتراض بھی اٹھ گیا۔

حضور علیہ السلام نے جنگِ خیبر میں حضرت علیؓ سے فرمایا تھا:

"ثم ادعھم الی الاسلام لان یھدی اللہ بک رجلا خیر لک من حمر النعم"

کہ "پھر تم انہیں اسلام کی طرف دعوت دو اور یاد رکھو، ایک انسان کا ہدایت پاجانا بھی تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے"

یہ نہیں فرمایا کہ غیر مسلم کو قتل کر ڈالو (جب تک مسلمان نہ ہو جائے جنگ جاری رکھو) ــــ اس لئے حدیث خاص ہے ۔ اس طرح چوتھا اعتراض بھی اٹھ گیا۔

مؤطا میں مذکور ہے ۔ ایک اعرابی نے حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر کہنے لگا، میں بیعت کو توڑتا ہوں تین مرتبہ یہی بات دوہرائی ۔ لیکن آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا ۔ اس کے بعد وہ اٹھ کر چلا گیا ۔ تو آپؐ نے فرمایا، مدینہ ایک بھٹی کی طرح ہے جہاں دھات باقی رہ جاتی ہے اور کثافت نکل جاتی ہے ۔ کیونکہ یہ اعرابی مرتد نہیں ہوا بلکہ ہجرت کو چھوڑ گیا اور بیعت کی واپسی سے بھی اس کی غرض ہجرت پر بیعت مراد تھی نہ اسلام پر ۔ لہٰذا اعتراض باطل ہے ۔

پس اس پر جو منصرع ہے کہ یہ حدیث "من بدل دینہ فاقتلوہ" (جو شخص اسلام چھوڑ دے، اسے مار ڈالو) موضوع باطل ہوا ــــ اس مسئلہ پر پہلے بحث ہو چکی ہے ۔